Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 02, April - June 2026, **PP**: 359-369
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شخصی آزادی اور معاشرتی ذمہ داریوں میں توازن: ایک تجزیاتی مطالعہ

Balancing Individual Liberty and Social Responsibilities in the Light of Islamic Teachings: An Analytical Study

1. Muhammad Hammad Atta
muhammad.hammad@bgnu.edu.pk
Lecturer,
Department of Islamic & Arabic Studies,
Baba Guru Nanak University, Nankana Sahib.

2. Dr. Rashid Muneer
dr.rashidlkv@gmail.com
Assistant Professor,
Department of Natural Sciences and Humanities,
UET, New Campus, KSK, Lahore.

How to Cite: Muhammad Hammad Atta and Dr. Rashid Muneer. 2026: "Balancing Individual Liberty and Social Responsibilities in the Light of Islamic Teachings: An Analytical Study". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (02): 359-369.

Article History:

Received:	**Accepted**:	**Published**:
05-05-2026	28-06-2026	30-06-2026

Copyright: **©The Authors**

Licensing: This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شخصی آزادی اور معاشرتی ذمہ داریوں میں توازن: ایک تجزیاتی مطالعہ

Balancing Individual Liberty and Social Responsibilities in the Light of Islamic Teachings: An Analytical Study

1. **Muhammad Hammad Atta**
Lecturer,
Department of Islamic & Arabic Studies, Baba Guru Nanak University, Nankana Sahib.
muhammad.hammad@bgnu.edu.pk

2. **Dr. Rashid Muneer**
Assistant Professor,
Department of Natural Sciences and Humanities, UET, New Campus, KSK, Lahore.
dr.rashidlkv@gmail.com

Abstract

Islamic jurisprudence establishes a comprehensive normative framework that harmonizes individual liberties with collective societal obligations. In contemporary discourse, the concept of freedom often oscillates between absolute individualism and authoritarian collectivism. This study examines the Islamic paradigm of personal freedom and social responsibility, demonstrating how Islamic teachings synthesize individual rights such as the right to life, freedom of belief, economic enterprise, and expression with moral and legal boundaries aimed at preserving social order (Maqāṣid al-Sharīʿah). Utilizing a descriptive and comparative analytical methodology, this paper investigates foundational primary sources (the Qur'ān and Sunnah) alongside classical exegetical and legal interpretations to delineate the limits of personal autonomy. The findings reveal that freedom in Islam is intrinsically tied to moral accountability (Amānah) and social justice (ʿAdl), encapsulated in the legal maxim Lā Ḍarar wa-lā Ḍirār (harm neither oneself nor others). The paper concludes that this balanced framework offers a viable ethical alternative to modern socio-political dilemmas, fostering a harmonious society grounded in justice, mutual obligation and human dignity.

Keywords: *Individual Liberty, Social Responsibility, Islamic Jurisprudence, Maqāṣid al-Sharīʿah, Balance, Human Dignity.*

تمہید

اسلام نے انسان کو بنیادی عزت اور آزادی عطا فرمائی ہے۔ فرمان رب العالمین ہے:"وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ"[1] اور یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عزت عطا کی۔ یہ عزت انفرادی و اجتماعی دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ اسی عزت کو برقرار رکھنے کے لیے اسلام نے حقوق و فرائض کا تصور دیا ہے۔ انسان کی عزت و تکریم کے بقا کے لیے رب العالمین نے انسان کو عقل و شعور عطا فرمایا۔ جہاں بھی اس عقل و شعور نے ٹھوکر کھائی اس کی راہنمائی کے لیے وحی نازل فرمائی۔ وحی کا یہ سلسلہ انسان کی فکری، اخلاقی اور عملی آزادی کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اسلام انسان کو زندہ رہنے، سوچنے، غور و فکر کرنے اور کسی بھی راستے کو اختیار کرنے وغیرہ کی آزادی تو دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ حدود بھی قائم کرتا ہے۔ اس عزت اور آزادی کی مزید ممکنہ صورتیں درج ذیل ہو سکتی ہیں:

حقِ حیات اور اس کی شرعی حدود

اللہ رب العالمین نے تمام انسانوں اور جانداروں کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے۔ کسی بھی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی

سے بھی زندگی گزارنے کا حق چھین سکے۔ اس کے لیے مختلف احکام کتاب اللہ میں نازل کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

"وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللہُ اِلَّا بِالْحَقِّ"[2]

جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام بنایا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔

سب انسانوں کی جان حرمت والی ہے سوائے اس انسان کے جو اپنے قتل کے جواز کو خود مہیا کر دے اور یہ تب ہی ہوتا ہے جب انسان کوئی ایسا سنگین جرم کرتا ہے۔ اسی طرح رب رحیم کا فرمان ہے:

"وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ"[3]

اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

یہاں خود بھی کسی کو اپنی جان لینے کا حق نہیں دیا گیا۔ ایک جان کو قتل کرنا ساری انسانیت کو قتل کرنے اور ایک جان کو بچانا ساری انسانیت کو بچانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ:

" مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا"[4]

جس نے ایک جان کو بغیر کسی کے بدلے یا فساد فی الارض کے قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک کی جان بچائی گویا اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی۔

ان تمام آیات قرآنیہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی دوسرے کو جینے کے حق سے محروم کرنا تو بہت بڑی بات ہے انسان خود بھی اپنی جان نہیں لے سکتا۔ اسی لیے خودکشی کو عظیم جرم سمجھا جاتا ہے اور لوگوں میں بھی یہ بطور حرام موت معروف ہے۔ اللہ جل جلالہ نے انسان کو خود اپنے آپ کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ"[5]

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔

اسی طرح صحیح البخاری میں مذکور حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک غزوہ میں ایک انسان بڑی بہادری سے لڑا لیکن جب نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو جہنمی قرار دیا۔ ایک آدمی اس کے پیچھے ہو لیا اور اس نے دیکھا کہ جب وہ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گیا تو ان کی تکلیف کی شدت کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اپنی تلوار کو زمین میں گاڑا اور خود اس پر اوندھے منہ گر گیا۔ اس طرح اس نے اپنی جان لے لی[6]۔ الغرض کوئی بھی انسان اپنی یا کسی اور کی جان لینے کا مجاز نہیں ہے۔ البتہ کوئی ایسی شرعی ضرورت پیش آجائے جیسے کسی کو قصاص میں قتل کرنا اور شادی شدہ زانی کو قتل کرنا وغیرہ جائز ہے لیکن اس کے لیے بھی باقاعدہ عدالتی اور حکومتی سرپرستی میں قانون کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ہی جان لی جا سکتی ہے۔ ہر کوئی اپنی مرضی سے یہ کام نہیں کر سکتا اور اسلام بھی اس چیز کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لے کر زمین میں فساد پھیلایا جائے۔ اسی لیے رب العالمین نے قصاص میں زندگی کی حفاظت کی بات کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَكُمۡ فِي ٱلۡقِصَاصِ حَيَوٰةٞ"[7]

اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

مزید براں زمین میں فساد کرنے والوں کے لیے سخت سزا کا حکم نازل فرماتے ہوئے احکم الحاکمین نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسۡعَوۡنَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ أَوۡ يُصَلَّبُوٓاْ أَوۡ

تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْاْ مِنَ ٱلْأَرْضِۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي ٱلدُّنْيَاۖ وَلَهُمْ فِي ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ"[8]

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں خوب قتل کیا جائے یا انہیں سولی دیدی جائے یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا (ملک کی سر) زمین سے (جلاوطن کر کے) دور کر دیئے جائیں۔ یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کرنے اور زمین میں فساد کرنے پر قتل کرنے، سولی پر لٹکانے، ہاتھ پاوں مخالف سمت سے کاٹنے یا زمین سے بے دخل کرنے جیسی سخت سزاوں کا حکم دنیا میں ہے اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ذکر کیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر انسان کو زندہ رہنے، تحفظ حاصل کرنے اور باعزت زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔ یہ حق رنگ، نسل، مذہب یا قومیت کی بنیاد پر محدود نہیں کیا جاسکتا۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر انسانی جان، مال اور عزت کو حرمت والا قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا"[9]

بیشک تمہارے خون، اموال تم پر حرام ہیں جیسا کہ اس دن کی حرمت، اس ماہ کی حرمت اور اس شہر کی حرمت۔

تاہم اسلام صرف حقِ زندگی عطا نہیں کرتا بلکہ معاشرے پر یہ ذمہ داری بھی عائد کرتا ہے کہ وہ انسانی جان کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ ریاست پر لازم ہے کہ امن و امان قائم کرے، ظلم و زیادتی کا خاتمہ کرے اور کمزور طبقات کی حفاظت کرے۔ اسی طرح افرادِ معاشرہ پر بھی لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کی جان و مال کا احترام کریں اور فساد، دہشت گردی اور ظلم سے اجتناب کریں۔ عصر حاضر میں جنگ، دہشت گردی، گھریلو تشدد اور معاشرتی ناانصافی جیسے مسائل انسانی جان کے لیے سنگین خطرہ بن چکے ہیں۔ اسلامی تعلیمات ان تمام مظاہر کی نفی کرتے ہوئے امن، عدل اور انسانی احترام کا درس دیتی ہیں۔

آزادی عقیدہ اور انتخابِ دین کا حق

اللہ رب ذوالجلال والاکرام نے انسان کے لیے نیکی و بدی، خیر و شر اور درست و غلط راستے کی وضاحت فرمائی ہے۔ ہر عقل مند انسان کو اچھے اور برے میں تمیز کا ملکہ بھی عطا فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ حضرت انسان کو اس بات کا اختیار بھی دیا ہے کہ وہ جس راستے کا انتخاب کرنا چاہے تو اس پر کسی قسم کی کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ انسان کو مختلف مذاہب اور ادیان بھی سمجھا دیے ہیں۔ اس سب کے باوجود اس اعلیٰ وارفع ذات نے کسی کو بھی دین اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ اس احکم الحاکمین نے تو اس بات کا اعلان فرمادیا کہ دین (کے اختیار کرنے میں) کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.[10]

کچھ زبردستی نہیں دین میں بیشک خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

اس آیت میں بھی اسی بات کو ذکر کیا گیا ہے کہ ہدایت اور گمراہی کے واضح ہو جانے کے بعد بھی کسی کو دین اسلام کے قبول

کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس بات کا بھی اختیار دیا ہے کہ اسلام کو سمجھنے کے بعد بھی چاہے تو اس کو اختیار کرے اور چاہے تو اس کا انکار کر دے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ"[11]

حق تو تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جو چاہے اس کا انکار کر دے۔

اسی طرح اگر کوئی انسان کسی مجبوری کی وجہ سے اسلام لانے کے بعد کلمہ کفر کہتا ہے اور اس میں اس کی دلی خواہش شامل نہیں ہوتی تو اس کے کلمہ کفر کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ فرمان رب جلیل ہے:

"مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ"[12]

جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے (جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنے پر) جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن جس نے شرحِ صدر کے ساتھ (کھلے دل سے) کفر کو قبول کیا، تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

ہر انسان کو اس بات کا کلی اختیار حاصل ہے کہ وہ دین اسلام کو اختیار کرے یا کسی اور دین کو اختیار کرے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے باوجود حضرت انسان کو مکمل آزادی دی ہے۔ کسی کو مجبور نہیں کیا اور اگر کسی کے دین اسلام کو قبول کرنے یا چھوڑنے میں اکراہ (انتہائی مجبوری) ثابت ہو جاتی ہے تو اس کی ایسی اہم بات کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری بھی صرف لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا اعلان یوں فرمایا ہے:

"فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ"[13]

بیشک آپ پر پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہماری ذمہ داری ہے۔

اسی طرح ہدایت دینے کا اختیار اللہ رب العالمین نے نبی رحمت ﷺ کو نہیں دیا بلکہ اپنے پاس ہی رکھا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے:

"اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ"[14]

یقیناً آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس سے آپ محبت کرتے ہوں، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی ہدایت اسی کو دیتے ہیں جو اس کا حقیقی طلب گار ہوتا ہے۔ کسی بھی انسان کو اسلام یا کسی اور دین کو قبول کرنے کی دعوت تو دی جا سکتی ہے لیکن کسی کو بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لازمی طور پر کسی بھی دین کو اختیار کرے۔ بلکہ دین کے اختیار یا اظہار میں کسی کو مجبور کیا جائے تو ایسے دین یا اظہار کو اسلام قبول نہیں کرتا۔ اسلام میں عقیدے کے اختیار میں جبر کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔[15] یہاں تک کہ اگر کوئی شخص سخت اکراہ اور مجبوری کی حالت میں زبانی کلمہ کفر بھی کہہ دے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، تو شریعت میں اس کے باطنی ایمان کا اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے واقعے پر نازل ہونے والی سورۃ النحل کی آیت 106 سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ دعوت دین بھی حکمت و دانائی سے بھرپور احسن انداز کے ساتھ ہونی چاہیے۔ کسی پر یہ بات مسلط نہیں کرنی چاہیے کہ وہ میری بات کو لازمی سنے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو۔ اسلام انسان کی آزادی کو تسلیم اور اس کا احترام کرتا ہے۔ تاہم اسلام کی عطا کردہ

آزادی مطلق اور بے قید نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ مشروط ہے۔ اسلام ایسی آزادی کی اجازت نہیں دیتا جو دوسروں کے حقوق پامال کرنے، معاشرتی فساد کا باعث بنے یا اخلاقی اقدار کو تباہ کرے۔

حقِ ملکیت اور کسبِ مال کے ضوابط

اللہ رب العالمین نے انسان کو زندہ رہنے کے لیے کمانے اور چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی اشیاء سے انتفاع کو اباحتِ اصلیہ کے تحت حلال قرار دیا ہے۔

"هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا"[16]

وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے۔

انسان کو ضروریات زندگی کے حصول کے لیے دوسرے لوگوں سے لین دین کو خالق کائنات نے "وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ"[17] کے ارشاد کے ساتھ حلال قرار دیا ہے۔ اسی طرح انسانوں کو ایک دوسرے کے مال باہمی رضامندی سے لینے اور استعمال کرنے کی اجازت دینے کے ساتھ باطل طریقے سے کھانے کی ممانعت کی ہے۔[18] یہاں باطل سے مراد ہر وہ ذریعہ آمدنی ہے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہو۔[19] اس کی کئی صورتیں ہیں جن کو مفسر نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ ان کی تفصیل دیکھنے کے لیے اصل تفسیر کی طرف رجوع کریں۔ اس آیت میں آپس میں مال کو باطل طریقے سے کھانے کی بجائے باہمی رضامندی سے بذریعہ تجارت کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہاں ہر ایک کو تجارت کرنے اور اس کے ذریعے کمانے کی اجازت دینے کے ساتھ کسی بھی غلط طریقے کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح انسان کو کسی دوسرے کا مال حکام کے پاس لے جا کر باطل طریقے سے کھانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

"وَلَا تَأْكُلُوٓاْ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ"[20]

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر جان بوجھ کر کھالو۔

اس آیت کریمہ میں بھی مال کو باطل طریقے سے کھانے سے ممانعت موجود ہے۔ اس باطل طریقے کی وضاحت میں مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ کسی کے مال پر جھوٹا دعویٰ کر دینا، جھوٹی گواہی دینا، کسی کی حق بات کا انکار کر کے اس پر جھوٹی قسم اٹھالینا، کسی کا مال غصب کر لینا، لوٹ لینا، چرا لینا، جوئے سے مال لینا، رشوت لینا یا زنا کی اجرت لینا وغیرہ شامل ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت ایسے شخص کے بارے ہے جس کے ذمہ کچھ مال ہو اور اس پر گواہ نہ ہو۔ وہ اس پر انکار کر دے اور اس کا جھگڑا حاکم کے پاس چلا جائے جس پر وہ جھوٹی قسم کھالے۔[21] اللہ احکم الحاکمین نے مال کے حصول کے کچھ طریقے اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے:

"يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[22]

مومنو! یقیناً شراب، جوا، بت اور فال کے تیر یہ ناپاک شیطانی عمل ہیں تو اس سے بچو تاکہ تم فلاح پا سکو۔

اس آیت میں جوا کے ذریعے مال کمانے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح رشوت کے ذریعے مال کمانے کو نبی کریم ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے۔ جیسا کہ جامع الترمذی میں روایت ہے:

عن عَبد اللهِ بن عَمْرو، قال: لَعنَ رَسولُ اللهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالمُرْتَشِيَ" [23]

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے کو ملعون قرار دیا ہے۔

انسان کو مال کمانے کا حق تو حاصل ہے لیکن اس کے لیے غلط اور باطل یا ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنا جس سے دوسروں کی حق تلفی ہو یا اسلام نے اسے ممنوع قرار دیا ہو تو اس کو اختیار کرنا ایک مسلمان کے لیے کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔ اسلامی فقہ میں بیوعِ فاسدہ و باطلہ کی ممانعت کا اساسی مقصد مالِ باطل اور استحصال کا خاتمہ ہے۔

آزادی اظہار اور اس کی حدود

ہر انسان کو بولنے اور مافی ضمیر بیان کرنے کی صلاحیت سے رب رحیم و جلیل نے نوازا ہے۔ کوئی بھی انسان اپنے مرضی اور منشا سے کسی بھی بات یا کلام کو کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ بات خیر و برکت والی یا شر والی بھی ہو سکتی ہے۔ اس بات سے ایک انسان کا فائدہ اور دوسرے انسان کا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ دین کے بارے ہر ایک کو اپنی رائے رکھنے کی اجازت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّين" [24]

دین میں کوئی جبر نہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

"فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُر" [25]

پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔

یہ آیات اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ اسلام انسان کی آزادی کو تسلیم کرتا ہے۔ تاہم اسلام کی عطا کردہ آزادی مطلق اور بے قید نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ مشروط ہے۔ اسلام ایسی آزادی کی اجازت نہیں دیتا جو دوسروں کے حقوق پامال کرے، معاشرتی فساد کا باعث بنے یا اخلاقی اقدار کو تباہ کرے۔ انسان اپنی رائے کے اظہار کے لیے عموماً زبان اور ہاتھ کا استعمال کرتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کی حفاظت کو نہایت اہم قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ" [26]

مسلمان ہی وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

آج کل آزادی رائے کے نام پر لوگ دوسرے کی باتیں ان کے ناپسندیدہ انداز میں دوسروں کے سامنے ذکر کرتے ہیں لیکن اس کو غیبت ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ نبی مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں غیبت کی تعریف بہت ہی واضح اور نمایاں کر کے سمجھا دی ہے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ" [27]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یقیناً اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ انہوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو نبی کریم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: تمہارا اپنے بھائی کا اس انداز میں ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرے۔ کہا گیا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا اس کے بارے کیا خیال ہے کہ اس کے بارے وہی بات کی جائے جو اس میں موجود ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: اگر تم اس کے بارے وہ بات کرو جو اس میں موجود ہے تو پھر تو تم غیبت کروگے اور اگر ایسی بات کرو جو اس میں موجود نہیں تو تم اس پر بہتان باندھوگے۔

کسی انسان کی غیبت کرنے کو اللہ احکم الحاکمین نے سخت معیوب قرار دیتے ہوئے اس کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًاۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ"[28]

اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور (پوشیدہ باتوں کی) جستجو نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں ناپسند ہوگا۔

اسی طرح اس حدیث کے دوسرے حصہ میں بہتان باندھنے کی بات کی گئی ہے۔ اس بہتان طرازی کی انتہاء یہ ہے کہ کسی کی عزت کو اس حد تک اچھالا جائے کہ اس پر بد چلنی کا الزام لگا دیا جائے۔ لیکن رب جلیل نے کسی پر ایسا بہتان باندھنا جس کی وجہ سے عزت پامال ہو اور اس پر گواہ بھی نہ ہوں تو سخت ترین سزا کا اعلان کیا ہے۔ رب ذوالجلال کا فرمان عالی شان ہے:

"وَٱلَّذِينَ يَرْمُونَ ٱلْمُحْصَنَٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُواْ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَٱجْلِدُوهُمْ ثَمَٰنِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُواْ لَهُمْ شَهَٰدَةً أَبَدًاۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ"[29]

وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر الزام تراشی کریں، اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں، ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کی جائے اور وہ لوگ فاسق (گناہ گار) ہیں۔

آج کے زمانے میں لوگ آزادی رائے کے نام پر دوسروں کو برا بھلا کہنا اور ان سے لڑائی جھگڑا کرنے کو بہت ہی ہلکی بات بلکہ کچھ تو اس کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں اخلاقی تنزلی کے باعث گفتگو اور اظہارِ رائے میں دشنام طرازی اور ناشائستہ زبان کا استعمال عام ہوتا جا رہا ہے، جس کی شریعتِ اسلامیہ سختی سے نفی کرتی ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے اس بارے صحیح مسلم میں روایت ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ؛ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ. وَقِتَالُهُ كُفْرٌ"[30]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ) اور اس سے قتال (جھگڑا کرنا) کفر ہے۔

ان آیات اور احادیث سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ آزادی رائے کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان دوسروں کی عزتوں پر حملہ کرے یا ان کی عزتوں کو اچھالے۔ ہر انسان کو دوسروں کی عزت کا خیال کرتے ہوئے اپنی رائے کے اظہار کا حق حاصل ہے۔

معاشرتی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا معیار

اسلامی معاشرہ باہمی حقوق و فرائض کے اصول پر قائم ہوتا ہے۔ اسلام میں فرد کی نجات صرف عبادات سے وابستہ نہیں بلکہ معاشرتی حقوق کی ادائیگی سے بھی مشروط ہے۔ اسلام انسان کو معاشرے کا ذمہ دار رکن بناتا ہے۔ ایک ذمہ دار فرد کا اپنی ذمہ داریوں کو احسن انداز میں ادا کرنے کے لیے اسلام نے ہمیں راہنما اصول عطا فرمائے ہیں۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

اوّل: عدل واحسان

قرآنِ مجید نے دوسروں کے حقوق جو درحقیقت اپنے فرائض ہیں ان کو ادا کرنے کے لیے عدل اور احسان کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ"[31]

بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل سے مراد کسی بھی چیز کو اس کا اصل مقام پر رکھنا ہے۔[32] احسان کسی بھی چیز کو اس کے اصل مقام یا حق سے زیادہ دینا ہے۔ دوسرے افراد کے حقوق کی ادائیگی میں کم از کم عدل کا خیال کریں۔ ورنہ انسان کو احسان کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ بلکہ والدین کے ساتھ تو قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر احسان کی ہی بات کی گئی ہے۔

دوم: تعاون وعدم تعاون

اللہ رب العالمین نے نیکی اور تقویٰ کے معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور گناہ و سرکشی کے معاملات میں عدم تعاون کا حکم کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ"[33]

نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

سوم: ذمہ داری

معاشرے میں کسی بھی کام کو کرنے کے لیے اس کی ذمہ داری کا احساس ایک نہایت عنصر ہے جو کسی بھی کام کو مکمل کرنے میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ حدیث نبوی میں ہمیں اس بارے میں واضح ہدایت دی گئی ہے اور ہر ایک کے حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہوئے ان کو ادائیگی کا ذمہ دار بنایا ہے۔ ارشاد نبی ﷺ ہے:

"ألا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عن رَعِيَّتِهِ"[34]

تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

چہارم: مساوات

حقوق کے حصول میں تمام افراد کو برابری حاصل ہونی چاہیے۔ جب برابری کا احساس ہو گا تو انسان دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرے گا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس کا تعلق روزمرہ کی زندگی کی بنیادی ضروریات سے ہے۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لا يُؤْمِنُ أَحدُكم حتَّى يُحِبَّ لأخيه ما يُحِبُّ لنَفْسِه"[35]

تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

یہ حدیث معاشرتی ذمہ داری کے ہمہ گیر تصور کو واضح کرتی ہے۔

شخصی آزادی اور معاشرتی ذمہ داریوں میں توازن

اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ وہ فرد اور معاشرے دونوں کے حقوق کو متوازن انداز میں محفوظ کرتا ہے۔ اسلام نہ تو فرد کو مکمل خودمختاری دیتا ہے کہ وہ معاشرتی اقدار کو پامال کرے، اور نہ ہی معاشرے یا ریاست کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ فرد کی جائز آزادیوں کو سلب

کر لے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادی کی اصل بنیاد ذمہ داری ہے۔ اگر کسی شخص کی آزادی دوسرے افراد کے نقصان، بے حیائی، انتشار یا ظلم کا سبب بنے تو اسلام اس پر حدود عائد کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لا ضرر ولا ضرار"[36]

نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔

اس حدیث کو بعد میں قاعدہ فقہیہ کے طور پر لے لیا گیا اور فقہاء نے اسے ایک مسلّم اصول بنا لیا۔ توازن کی بہترین مثال یہ بھی ہے کہ اسلام اعتدال اور وسطیت (میانہ روی) کا دین ہے۔ قرآنِ مجید نے اسی لیے امتِ مسلمہ کو أُمَّةً وَسَطًا[37] اعتدال والی امت قرار دیتا ہے۔ اس اصول کے تحت اسلام فرد کی ذاتی زندگی، معاشی سرگرمیوں، اظہارِ رائے اور سماجی تعلقات میں آزادی دیتا ہے، لیکن اخلاقی اقدار، عفت، عدل اور اجتماعی مفاد کو مقدم رکھتا ہے۔ عصرِ حاضر میں سوشل میڈیا، ڈیجیٹل ذرائع ابلاغ اور جدید تہذیبی رجحانات نے آزادیِ اظہار کے مسئلے کو مزید حساس بنا دیا ہے۔ بعض اوقات آزادی کے نام پر مذہبی اقدار، خاندانی نظام اور معاشرتی احترام کو مجروح کیا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ اظہارِ رائے ذمہ داری، حکمت اور اخلاق کے دائرے میں ہونا چاہیے۔

عصرِ حاضر کے چیلنجز

موجودہ دور میں لبرل ازم اور انفرادی خود مختاری کے تصورات نے شخصی آزادی کو غیر محدود انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاندانی نظام کی کمزوری، اخلاقی بحران، بے راہ روی اور معاشرتی انتشار جیسے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ دوسری طرف بعض معاشروں میں مذہب یا ریاست کے نام پر ایسی سختیاں بھی موجود ہیں جو فرد کی جائز آزادیوں کو محدود کرتی ہیں۔ اسلام ان دونوں انتہاؤں کے بجائے اعتدال کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اسلام انسان کی فطری ضروریات اور آزادیوں کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں اخلاقی اصولوں اور اجتماعی مفاد کے تابع کرتا ہے۔ یہی توازن ایک پر امن اور مستحکم معاشرے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

حاصلِ بحث

پیشِ نظر تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت کا اساسی ہدف ایک ایسے معتدل اور متوازن معاشرے کی تشکیل ہے جہاں انفرادی آزادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کے درمیان توازن برقرار رہے۔ جدید مغربی فکری ساخت میں شخصی آزادی (Individualism) کو غالباً خود مختاری اور مطلقت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اخلاقی اور خاندانی نظام میں بگاڑ کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کے برعکس، اسلامی تناظر میں آزادی محض خواہشات کی پیروی (ہوائے نفس) کا نام نہیں، بلکہ یہ اخلاقی اور قانونی حدود کے اندر ایک "مسئولانہ اور ذمہ دارانہ آزادی (Responsible Liberty)" ہے۔

نتائج بحث

- **بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ:** اسلام فرد کو بقائے باہمی، عقیدے کی آزادی، مال کی ملکیت اور اظہارِ رائے کا کامل حق دیتا ہے، تاہم ان حقوق کو مقاصدِ شریعت (حفظِ نفس، عقل، دین، نسل اور مال) کے تابع بناتا ہے۔
- **قاعدہ لاضرر کا نفاذ:** فقہی قاعدہ "لاضرر ولاضرار" شخصی آزادی کے حدود و قیود کا احاطہ کرتا ہے؛ یعنی ایسی آزادی جس سے فرد یا معاشرے کے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچے، شرعاً ممنوع ہے۔
- **حقوق و فرائض میں توازن:** اسلامی نظام حقوق العباد کی ادائیگی کو فرد کی نجات کا لازمی حصہ قرار دے کر حقوق اور فرائض میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

عملی سفارشات

- **نصابِ تعلیم کی اصلاح:** یونیورسٹی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں "اخلاقیات اور (Cyber Ethics) "کو اسلامی تناظرِ آزادی کے ساتھ نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ ڈیجیٹل دور میں آزادیِ اظہار کے نام پر پھیلنے والی انارکی کا سدِّباب ہو سکے۔
- **فکری و بیانیاتی تجدید:** مروجہ لبرل اور استبدادی بیانیوں کے مقابلے میں فقہائے کرام اور جدید محققین اسلام کے "نظریۂ اعتدال و وسطیت" کو جدید معاشی و سماجی اصطلاحات میں مدوّن کر کے پیش کریں۔
- **قانون سازی اور حکمتِ عملی:** ریاستی و حکومتی سطوح پر انفرادی آزادیوں کے تحفظ اور معاشرتی امن کی ضمانت کے لیے ایسے قوانین تشکیل دیے جائیں جو فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کی بھی حوصلہ افزائی کریں اور معاشرتی فساد کا راستہ بھی روک سکیں۔

References

1 Al-Qur'ān 17:70.
2 Al-Qur'ān 17:33.
3 Al-Qur'ān 2:195.
4 Al-Qur'ān 5:32.
5 Al-Qur'ān 4:29.
6 Al-Bukhārī, Muḥammad bin Ismā‘īl, al-Imām, *Al-Jāmi‘ aṣ-Ṣaḥīḥ,* (Cairo: Al-Maktabah al-Kubrā al-Amīriyyah, 1311 AH), Ḥadīth No. 4207.
7 Al-Qur'ān 2:179.
8 Al-Qur'ān 5:33.
9 Muslim bin al-Ḥajjāj, Imām, *Al-Jāmi‘ aṣ-Ṣaḥīḥ,* (Turkey: Dār al-Ṭibā‘ah al-‘Āmirah, 1334 AH), 4: 38.
10 Al-Qur'ān 2:256.
11 Al-Qur'ān 18:29.
12 Al-Qur'ān 16:106.
13 Al-Qur'ān 13:40.
14 Al-Qur'ān 28:56.
15 Al-Qur'ān 2:256.
16 Al-Qur'ān 2:29.
17 Al-Qur'ān 2:275.
18 Al-Qur'ān 4:29.
19 Kailānī, ‘Abd al-Raḥmān, Maulānā, *Taysīr al-Qur'ān,* (Lahore: Maktabah as-Salām, 1432 AH), 1:386.
20 Al-Qur'ān 2:188.
21 Pānīpatī, Qāḍī Thanā’ullāh, Maulānā, *Tafsīr-e-Maẓharī,* (Karachi: Dār al-Ishā‘at, 1999 AD), 1:258.
22 Al-Qur'ān 5:90.
23 Al-Tirmidhī, Muḥammad bin ‘Īsā, al-Imām, *As-Sunan,* (Beirut: Dār al-Gharb al-Islāmī, 1996 AD), Vol. 3, p. 16.
24 Al-Qur'ān 2:256.
25 Al-Qur'ān 18:29.
26 Muslim, *Al-Jāmi‘ aṣ-Ṣaḥīḥ*, 1: 65.
27 Muslim, *Al-Jāmi‘ aṣ-Ṣaḥīḥ*, 4: 2001.
28 Al-Qur'ān 49:12.
29 Al-Qur'ān 24:04.
30 Muslim, *Al-Jāmi‘ aṣ-Ṣaḥīḥ*, 1: 81.
31 Al-Qur'ān 16:90.
32 Abū Manṣūr al-Māturīdī, Muḥammad bin Muḥammad bin Maḥmūd, *Tafsīr al-Māturīdī (Ta’wīlāt Ahl as-Sunnah)*, (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 2005 AD), 6:558.
33 Al-Qur'ān 5:02.
34 Al-Tirmidhī, Abū ‘Īsa Muhammad Bin Īsa, Sunan al-Tirmidhī, (Riyadh: Dar Al Salam, 2014), 3: 322.
35 An-Nasā’ī, Aḥmad bin Shu‘ayb, al-Imām, *As-Sunan al-Mujtabā,* (Cairo: Dār ar-Risālah al-‘Ālamiyyah, 2018 AD), 8: 209.
36 Mālik bin Anas, al-Imām, Al-Muwaṭṭa’, (Beirut: Dār Iḥyā’ al-Turāth al-‘Arabī, 1985 AD), 2: 745.
37 Al-Qur'ān 2:143.